تلخیص و ترجمہ

تمدن جدید پر عربی تہذیب کی فضیلت

عنوانِ بالا کے تحت حسن السلمان کے قلم سے پروفیسر سٹانلے لین پول سابق اُستادِ عربی ڈبلن یونیورسٹی کے ایک مضمون کا ترجمہ رسالہ المقتطف مصر (بابت ماہ مارچ سنہ ۴۰ء) میں شائع ہوا ہے۔ ہم ذیل میں اس کا ملخص اُردو ترجمہ پیش کرتے ہیں"

عربی علوم و فنون کا عہد زریں پانچ صدی تک قائم رہا۔ نویں صدی عیسوی کے آغاز میں اس عہد کا آفتاب طلوع ہوا تھا۔ اور تیرہویں صدی کے ختم پر غروب ہوگیا۔ اس آفتاب کی روشنی نے اُن تمام شہروں کو منور کر دیا تھا جن کو عربوں نے فتح کرلیا تھا۔ یہ عربی کلچر مشرق میں ایران کے تمام شہروں پر، اور مغرب میں بحر اٹلانٹک کے ساحل پر استیلا رکھتا تھا۔ ہر مسلمان خواہ ترکستان کا ہو یا اسپین کا عربی زبان بولتا تھا لیکن یہ تہذیب اگرچہ لسانی اعتبار سے عربی تھی، مگر — اصول کے لحاظ سے عربی نہ تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب جس زمانہ میں جزیرہ کے صحراؤں میں قیام رکھتے تھے وہ خود کسی تہذیب اور علم کے زیور سے آراستہ نہ تھے۔ اور اُن کا تمدن اتنا اونچا نہیں تھا جتنا کہ اسلامی عہد میں ہوا۔ البتہ یہ بدوی لوگ شہسواری، بہادری، اور تیغ زنی میں اتنا بڑا کمال رکھتے تھے کہ اس لحاظ سے وہ دنیا کی تمام قوموں پر فائق تھے۔ مگر علم و فن حاصل کرنے کے لیے اُن کے واسطے ضروری تھا کہ عراق و شام کا سفر کریں۔

عرب زمانۂ جاہلیت (قبل از اسلام) میں جزیرہ سے نکلے اور اُنہوں نے چھوٹی چھوٹی حکومتیں

قائم کیں لیکن وہ اپنے ہمسایہ ممالک کو فتح نہیں کر سکے۔ اس کے دو سبب ہیں (۱) عربوں میں وطنی یکجہتی نہیں پائی جاتی تھی (۲) دوسرا سبب یہ ہے کہ ان کے لیے کوئی ایسا محرک نہیں تھا جو دوسرے ممالک کی فتح پر انہیں برانگیختہ کرتا۔ البتہ جب اسلام آیا، تو اُس نے عربوں میں ان دونوں چیزوں کو بیدار کر دیا۔ ایک طرف تمام عرب اسلامی اخوت و یگانگت کے مضبوط رشتہ میں منسلک ہو کر ایک ہو گئے اور دوسری جانب اُن میں تبلیغ اسلام کے شوق نے اپنی وسعتوں کو دراز کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا۔ ان دونوں باتوں کے پیدا ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عربی قبائل متحد و متفق ہو کر تیروں کی ایک مسلسل قطار کی طرح آگے بڑھے اور اپنے ہمسایہ ممالک پر چھا گئے۔ ان مسلمان عربوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ طبل جنگ کا بڑے سے بڑا موثر نغمہ کسی فوج پر وہ اثر نہیں کر سکتا جو میدانِ جنگ میں کسی مجاہد کا نعرہ "اللہ اکبر" ان عرب مسلمانوں پر کرتا تھا۔

غیر معمولی مذہبی تنظیم اور دینی جوش و خروش کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کو عالم وجود میں آئے ہوئے ابھی پورے بیس سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ قیصر و کسریٰ کی عظیم الشان مملکتیں اسلام کے زیر نگیں ہو گئیں لیکن شروع شروع میں ان عربوں اور مفتوحہ قوموں کا تعلق محض حاکم و محکوم کے تعلق تک محدود رہا، اور عربوں نے ان قوموں کے علمی و تمدنی کمالات کی طرف اعتنا نہیں کیا۔ پہلی صدی ہجری کا ایک بڑا حصہ اسی طرح گذر گیا۔ پھر جب اُمویوں نے مدینہ منورہ کی بجائے اپنا دار السلطنت دمشق کو بنا لیا تو یہاں اُن کو دوسری قوموں کے فضلا اور ادبا، و فلاسفہ کے ساتھ اختلاط کا موقع ملا جس کی وجہ سے اُن کے نظریات حیات میں بھی تدریجی طور پر تبدیلی پیدا ہونے لگی۔ ان اموی خلفاء کے دربار میں روم و ایران کے ارباب کمال اپنا اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ ان سے دفتری حسابات اور تحریر وغیرہ کے کاموں میں مدد لیجاتی تھی۔ اور انہیں اس کی مکمل اجازت تھی کہ وہ اپنے علوم و فلسفہ کو آزادی کے ساتھ پڑھیں پڑھائیں۔ غیر ملکی اثرات کی وجہ سے دفتر کی حسابی زبان پہلے پہل غیر عربی

فارسی) رہی لیکن تھوڑی ہی مدت کے بعد حکومت کے تمام دفتروں کی زبان عربی بنادی گئی۔ رائج الوقت سکوں پر خلفاء کے نام کندہ ہونے لگے اور اسی طرح اجنبی اقوام کے لوگ مجبور ہوگئے کہ عربی زبان کی تعلیم حاصل کریں۔ ان میں کثرت سے ایسے بھی تھے جو جزیہ سے دستگاری حاصل کرنے یا مناصب و اعزازات میں مسلمانوں کے ہمپایہ بننے کے لیے مسلمان ہوگئے تھے[لہ]۔ روم اور ایران کے لوگوں کے بکثرت مسلمان ہونے کا ثمرہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی ایسی مشترکہ سوسائٹی بن گئی جس میں عربوں کے علاوہ مصری، شامی، یونانی بربری اور اسپینی اقوام کے لوگ بھی برابر کے شریک تھے۔ اور عربوں میں اور ان سب اقوام میں باہمی طور پر شادی بیاہ کے معاملات انجام پاتے تھے۔

قرآن مجید کا اثر قرآن مجید نے مسلمانوں کی اس مخلوط سوسائٹی کو بہت بڑی حد تک متاثر کیا ہے اجنبی اقوام کے نومسلم قرآن مجید کو سمجھنے کے شوق میں عربی زبان سیکھتے تھے اور اُس میں مہارت پیدا کرتے تھے۔ اس سے یہ تو ضرور ہوا کہ اب تک جو دفتری اور دیوانی عہدے عربوں کے لیے مخصوص تھے اُن کے دروازے غیر عرب مسلمانوں کے لیے بھی کھل گئے اور اس سے عربوں کی انفرادی شوکت وحشمت کو صدمہ پہنچا۔ لیکن اجتماعی طور پر وحدت زبان کا فائدہ یہ ہوا کہ ایشیا، افریقہ، اور اسپین کے تمام مسلمان ایک رشتۂ اخوت میں منسلک ہوگئے۔ پھر فارس اور اسکندریہ کے راستوں سے یونانی فلسفہ و علوم کی جو رو آئی اُس نے بھی مسلمانوں کی تہذیب پر حیرت انگیز اثر کیا۔ پہلے سے مصر

[لہ] ہماری رائے میں پروفیسر لین پول کا یہ خیال صحیح نہیں ہے، بلکہ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ جوق در جوق جو اسلام میں داخل ہوتے تھے وہ محض اسلام کی حقانیت و صداقت کی وجہ سے ہوتے تھے۔ ورنہ جہاں تک دنیوی آزادی [illegible] عیش و آرام کا تعلق ہے وہ غیر مسلم ہونے کی حالت میں بھی ان لوگوں کے لیے ذمی بنجانے کی وجہ سے کچھ کم نہیں تھا اور پھر مذہب کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اُس کو محض دنیوی منفعت کی خاطر ایک دو نہیں بلکہ ہزار در ہزار انسانوں کی جماعتیں بیک وقت چھوڑ دیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد کا مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ چار ہزار ایرانی سپاہی ایرانی فوج کے کپتان رستم کے لشکر سے الگ ہو کر بیک وقت اسلام لے آئے تھے تو کیا کوئی سلیم الفطرت انسان تسلیم کرسکتا ہے کہ ان سب نے دنیوی نفع کو حاصل کرنے کی غرض سے اپنا پرانا دین ترک کرکے اسلام قبول کر لیا تھا؟ م س

شام، اور ایران، یونانی فلسفہ علوم کی تعلیم کے خاص مراکز تھے اور ایرانی بادشاہوں نے اپنے ملک کے دروازے اُن نسطوری لوگوں کے لیے کھول رکھے تھے جو بازنطینوں کی سختیوں سے گھبرا کر ان کے ملک میں پناہ لینی چاہتے تھے۔ ان کو یہاں تک آزادی تھی کہ انہوں نے مدرسۂ جندیساپور کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی جس میں فلسفۂ ہند اور علوم طبیہ کے ساتھ ساتھ فلسفۂ یونان اور دوسرے علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔

عرب ایران میں امویوں کا پایۂ تخت دمشق ایران سے بعید تھا۔ اس لیے عرب شروع شروع میں ایرانی تہذیب و کلچر سے زیادہ متاثر نہیں ہوئے لیکن بنو اُمیہ کے زوال کے بعد ۷۵۰ء میں جب بنو عباس کا دور شروع ہوا، اور اس واقعہ کے بارہ برس بعد بغداد دارالسلطنت بن گیا تو اب عربی تہذیب پر ایرانی تہذیب کا رنگ سرعت کے ساتھ چڑھنے لگا۔ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ خلفاء بغداد نہایت فیاض طبع اور غیر متعصب تھے۔ وہ ایرانیوں کو وزارت جیسے بڑے بڑے عہدوں پر بھی فائز کرنے سے دریغ نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ تاریخ بغداد کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ برامکہ کو جو عربی النسل نہیں تھے خلافت بغداد میں کس درجہ اثر ورسوخ حاصل تھا۔

عربی تہذیب کی اس اثر پذیری میں ہارون رشید کی حکومت سے زیادہ مامون رشید کی حکومت کو دخل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مامون طبعاً علوم و فنون اور خصوصاً فلسفۂ یونان کا بڑا اشتیاق تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس کی تربیت بھی ایک حد تک ایرانی ماحول میں ہوئی تھی۔ مامون کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے یونان کے فلسفہ اور دوسرے علوم کے درس و تدریس کی بہت کچھ حوصلہ افزائی کی۔ اور عربی زبان میں ان تمام علوم کے تراجم کا اہتمام کیا اس کا اثر یہ ہوا کہ بعد میں جو علوم کلام ایجاد ہوئے اُن کی بنیاد فلسفۂ یونان پر ہی قائم تھی۔

عہدِ مامون میں صرف یہ ہی نہیں کہ مامون کا محل ایک شاندار کتب خانہ اور رصدگاہ

رکھتا تھا، بلکہ اس زمانہ میں گھر گھر علم وفن کا ایسا چرچا تھا کہ بڑے بڑے علماء، اور اعیانِ سلطنت کے مکانات علمی مذاکروں اور بحثوں کی مجلسوں میں تبدیل ہوگئے تھے لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ مدت کچھ زیادہ طویل ثابت نہ ہوسکی مامون کی وفات کے کچھ عرصہ بعد خلفاء اور امراء میں شدید اختلاف رونما ہوگیا۔ اور تمام ملک اُن ترکوں کا شکار بن کر رہ گیا جو علم اور تہذیب سے بالکل بے بہرہ تھے۔ یہ عہدِ زریں اگرچہ مختصر تھا لیکن اس کے اثرات عالم اسلام کے گوشہ گوشہ تک پہنچے اور یہ اپنی یادگار میں ایک ایسی عظیم الشان تہذیب چھوڑ گیا جو تمام سابقہ تہذیبوں سے بلند و بالا تھی۔

بغداد اپنے زمانۂ عروج میں مادی اعتبار سے ہی ترقی و بلندی کا مرکز نہیں تھا بلکہ علم کا سرچشمہ اور عربی تہذیب کا بھی معدن تھا۔ یہاں دنیا کے ہر گوشہ سے طلباء کثرت سے آتے تھے اور اُن کا ہجوم ایسا ہی رہتا تھا جیسا کہ آج کل امریکہ اور یورپ کی یونیورسٹیوں میں طلباء کا ہجوم رہتا ہے۔ بغداد میں مسجدیں درسگاہوں کا کام دیتی تھیں، اور یہاں فقہ، قانون، فلسفہ، طب، اور ریاضیات پر لکچر دیے جاتے تھے۔

طلباء کی طرح دور دراز ممالک سے بڑے بڑے افاضل و علماء بھی بلائے جاتے تھے تاکہ وہ اپنے لکچروں کے ذریعہ تشنگان علوم کو سیراب کریں۔ یہ علماء اپنے نظریات و افکار کی تشریح میں بالکل آزاد تھے پھر ان طلباء اور اساتذہ کے لیے مسلمان ہونے کی بھی قید نہ تھی۔ بغداد کے دروازے ہر مذہب و ملت کے طلباء کے لیے کھلے ہوتے تھے۔

فلاسفۂ اسلام اس زمانہ میں قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ ارسطو کے فلسفہ پر بھی بہت زیادہ توجہ کی گئی۔ یہاں تک کہ ابن رشد پیدا ہوا جو ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے ـــــ مسلمان فلاسفہ میں انہیں لوگوں کو امتیاز حاصل ہوتا تھا جو ارسطو، بطلیموس، جالینوس، اور بقراط وغیرہ یونانی حکماء کے افکار و نظریات سے پوری طرح باخبر ہوتے تھے۔ بغداد میں فلسفۂ یونان کی تعلیم نے بڑے بڑے

نامور فلاسفہ پیدا کیے جنھوں نے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ مشرق و مغرب کے ملکوں کو فلسفۂ یونان سے روشناس کرایا۔ قرون وسطیٰ میں یورپ کی یونیورسٹیوں مثلاً پیرس کی یونیورسٹی، پادوا کی یونیورسٹی، نیپلز اور بولون کی یونیورسٹیوں میں کندی، فارابی، فرغانی، خوارزمی، ابن سینا، رازی، باطنی ابن باجہ، بیرونی، ابو مشعر اور ابن رشد ایسے فلاسفۂ اسلام کے فلسفہ کا ہی درس دیا جاتا تھا اور چونکہ ان فلاسفہ کے نام کا عربی تلفظ یورپ کے طلبار کے لیے سہل نہ تھا اس لیے ان کو لاطینی رنگ دیا گیا۔ اس زمانہ میں یورپ نے فلسفہ، ریاضیات، طب، علم کیمیا اور فلکیات میں جو کچھ سیکھا وہ اُن کتابوں کی وساطت سے تھا جن کا یونانی سے عربی زبان میں ترجمہ ہو چکا تھا۔ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ سترھویں صدی عیسوی کے اخیر تک یہ صرف فلاسفۂ اسلام کی تعلیمات تھیں جن کا درس یورپ کی یونیورسٹیوں میں ہوتا تھا۔

عربوں نے علوم و فنون کے تراجم پر ہی اکتفا نہیں کی، بلکہ اجتہاد فکر سے کام لیکر اُنھوں نے مفید اصلاحیں اور اضافے بھی کیے۔ مثلاً علوم ریاضی میں اُنھوں لے عربی ہندسوں (Arabic numerals) کا اضافہ کیا اور پھر ہندسوں کی بجائے رموز استعمال کرنے لگے۔ اسی طرح انھوں نے علم جبر (Algebra) اور علم مثلثات (Trigonomatry) کی ایجاد کی، یہاں اس کا موقع نہیں ہے کہ عربوں نے علوم ریاضی میں جو اضافے کیے ہیں اُن کو تفصیل سے بیان کیا جائے البتہ یہ دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ان علوم میں عربوں کی موشگافیاں اور اُن کی تحقیقات ریاضیات کی تاریخ میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ اسی طرح "فلکیات" پر اُنھوں نے جو بحثیں کی ہیں اور جو اپنے خاص نظریے انھوں نے پیش کیے ہیں وہ اس بات کا روشن ثبوت ہیں کہ عرب اس علم کے ساتھ بھی کس درجہ اعتنا کرتے تھے۔ انھوں نے اس علم میں جو اصطلاحات وضع کی تھیں جدید علم فلکیات میں اب تک انہیں سے کام لیا جاتا ہے۔ عربوں نے اگرچہ علم فلک اور علم نجوم میں

خلط ملط کر دیا ہے لیکن یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ انہوں نے اس فن کو خالص علمی رنگ میں رنگ دیا۔ اور علوم کی صف میں اس کو بھی ایک نمایاں مقام دلایا۔ رہا علم کیمیا تو انہوں نے اس علم کو اسکندریہ کی درسگاہوں سے حاصل کیا۔ اور اس پر طرح طرح کے اضافے کرکے کچھ سے کچھ بنا دیا جس کی وجہ سے وہ طب اور دوا سازی کے فن میں بہت مفید ثابت ہوا۔ ہم یورپ کے لوگ اب تک اپنی بحثوں میں جو علم سے متعلق ہوتی ہیں، کثرت سے عربی الفاظ و مصطلحات استعمال کرتی ہیں۔ ہم نے ایک مدت تک عربوں کے اس دعوے کا مذاق اڑایا ہے کہ ایک مخصوص کیمیاوی ترکیب کمتر سے کمتر دھات کو زرِ خالص میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اب جدید تحقیقات نے اس دعوے کی واقعیت اور معقولیت کو ثابت کر دیا ہے۔ اگرچہ اس عمل میں کامیابی حاصل کرنے کا طریقہ عربوں کے مجوزہ طریقہ سے مختلف ہے۔

علمی تلاش و جستجو اور علمی بحث و نظر دونوں کا ساتھ رہا ہے۔ جو لوگ علوم و فنون کے ماہر ہوتے تھے، وہ ملک ملک کی سیاحت کرکے شب و روز اپنی علمی تشنگی کو بجھانے کے سامان میں لگے رہتے تھے۔ عربی زبان اور اس کے علوم میں ایسی کشش تھی کہ دور دراز کے عربی نہ جاننے والے انبوہ در انبوہ اپنے وطنوں کو خیرباد کہہ کر چل پڑتے تھے اور چونکہ اس زمانہ میں نقلی اور عقلی ہر قسم کے علم و فن کا مرکز بغداد تھا اس لیے یہ سب طلبا یہیں کا رخ کرتے تھے۔ اسی قسم کے لوگوں میں ابو نصر فارابی تھا جو ترکستان کے ایک شہر فاراب کا باشندہ تھا۔ فارابی علم کی جستجو میں اپنے وطن سے اس حالت میں روانہ ہوا کہ وہ عربی کا ایک لفظ بھی نہیں جانتا تھا۔ یہاں سے روانہ ہو کر وہ حران میں آیا۔ اور یہاں کے مدرسہ میں فلسفۂ یونان کی تعلیم ایک مشہور ستارہ پرست فلسفی باطنی سے حاصل کی۔ یہاں سے فارغ ہو کر وہ بغداد آیا اور ارسطو کے فلسفہ کا عمیق مطالعہ کیا۔ اور اساتذۂ فن کے اس موضوع پر لکچر سنے۔ اس کے بعد وہ شام آیا اور یہاں کی ایک عظیم الشان

یونیورسٹی میں اپنی وفات ؁۹۵۰ء تک برابر درس وتدریس میں مشغول رہا۔

امراء کے محلات اسلامی کلچر کی درسگاہیں تھیں

بنی عباس کی سلطنت میں جب زوال پیدا ہوگیا اور خلفاء اپنے ترک غلاموں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن گئے۔ تو اب علم کے مراکز بغداد سے منتقل ہوکر دمشق اور حلب میں آگئے ان نئے مرکزوں نے بڑے بڑے فلاسفۂ اسلام اور مفکرین کو جن کے پیشرو فارابی اور ابن سینا تھے اپنی طرف کھینچ بلایا۔ فارابی اور ابن سینا اُن فلاسفہ میں سب سے زیادہ مشہور ہیں جنھوں نے ارسطو کا فلسفہ بنظر عمیق پڑھا اور اُس کے نظریات وافکار کو عربی میں منتقل کیا۔ ابن سینا کی شہرت میں زیادہ تر اُس کی کتاب "القانون" کو دخل ہے جو دراصل طبِ قدیم کی ایک کتاب کا عربی ترجمہ ہے

پھر جغرافیہ اور سفر کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئیں اُن سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ عرب سیر و سیاحت کرکے علمی کمالات پیدا کرنے کے کتنے شوقین تھے۔ اس عہد کی جغرافیائی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور کتاب یاقوت حموی کی معجم البلدان ہے۔ یاقوت یونانی غلام تھا مسلمان ہوجانے کے بعد اس نے بغداد میں تعلیم حاصل کی۔ سفرناموں میں حسب ذیل سفرنامے مشہور ہیں۔ سفرنامۂ ادریسی سفرنامہ بکری، سفرنامۂ ابن جبیر اور مشہور عرب مورخ مسعودی تو اپنی جہاں پیمائی کے باعث مشرق کا ہیروڈوٹس ہی کہلاتا ہے۔

(باقی آئندہ)